گرامی نامے

● ’ایوانِ اردو‘ کا ستمبر ماہ کا شمارہ نہایت خوبصورت جاذب نظر سرورق اور بالخصوص مشتاق احمد یوسفی کے گوشہ پر مبنی معیاری مضامین سے آراستہ و پیراستہ حاصل ہوا ہے۔ پاکستان کے اس بلند پایہ ادیب سے وابستہ مضامین شائع کر کے ادارے نے بلا شک ایک پڑوسی (ملک) کے مطلوب ’دھرم‘ (مذہب نہیں، فریضہ) کو ہی بخوبی انجام دیا ہے۔ یہ سوال بھی پیدا ہوتا ہے کہ کیا پاکستان بھی اسی طرح ہمارے ملک کے ادبا پر اپنے ہاں شائع ہونے والے جرائد میں ایسے ہی گوشوں کی اشاعت کرتا ہے یا پھر مستقبل میں شائع کرنے کا ارادہ کرتا ہے یا نہیں؟

راولپنڈی کے باشندے محمد جمیل اختر نے اپنے افسانے میں ریل گاڑی کے بطور ایک کردار فراموش کارکن ’ٹکٹ چیکر‘ (عنوان) اور بالخصوص اس کی اعلیٰ فرض شناسی کو غالباً پہلی بار نشان زد کر کے گویا اس کے تئیں ایک خراجِ عقیدت عطا کر کے اس کردار کو امر کر دیا ہے۔ اس نفسیاتی افسانے میں تمام تر مشاہدات و احساسات ترسیلِ عام کی خصوصیات سے مملو ہونے کے بہ موجب از حد متاثر کن ہیں۔ اس افسانے کا کلائمکس ضرور مطلق مصنوعی ہونے کے باوصف فرض شناسی کی انتہا کے درجے تک جس طرح سے سادگی و دیانتداری کے ساتھ فنتاسی کی ہیئت میں منعکس کرتا ہے، وہ ہمیں غیر ملکی ادبا جیسے کہ موپاساں، میکسم گورکی، اینٹن چیخو وغیرہ کے مشہور افسانوں مثلاً ’ڈیتھ آف اے کلرک‘ (’’ایک کلرک کی موت‘‘) کی ناگزیر یاددہانی کراتا ہے۔

محترمہ ڈاکٹر غزالہ قمر اعجاز کے افسانے ’پہچان‘ میں ہندوستان کے موجودہ وزیر اعظم نریندر مودی کی تبلیغ شدہ ’سوچھتا‘ کی مہم خاص کی تصدیق کرنے کے علاوہ مستزاد فقط ظاہری صفائی سے کہیں زیادہ باطنی یا درونی صفائی کی بھی ضرورت کی خط کشی کرنا لائق صد ستائش ٹھہرتا ہے۔ اس نہفتہ، لیکن از حد اہم مفہوم کے ہی بموجب یہ افسانہ مختصر ہونے کے باوصف بڑا وسیع اور وقیع مقصد سے لبریز ہو گیا ہے۔ اس میں مزید مذہبی فرقہ پرستی کی غلیظ سیاست کو بھی آڑے ہاتھوں لینا سبق آموز ہے، جو کہ اس کا ایک مزید جمع نقطہ (پلس پوائنٹ Plus Point) ہے۔

محترمہ روبینہ ساگر روبی کے نام کی ہی مانند ان کا رومانی افسانہ ’’بدل گئے موسم تیری جدائی میں‘‘ رومانی احساسات کو عاشق و معشوق دونوں کی ہی سطح پر نشان زد کرتا ہے۔ بیچ بیچ میں ڈاکٹر بشیر بدر (مثلاً ’اُجالے اپنی یادوں کے...‘) وغیرہ کے برمحل اشعار افسانے کے موضوع کے مناسب ایک ہم آہنگی قائم کرتے اور کردار نگاری کو بھی جلا بخشتے چلتے ہیں۔

سلیم شہزاد کا پروفیسر نصیر احمد خاں کے مرتب شدہ موٴقر ’اردو کی صوتی لغت‘ کا ایک غیر جانبدارانہ تجزیہ ان کی علمی قابلیت و فہم کا ایک مستند ثبوت فراہم کرتا ہے۔ اگرچہ متعدد لغات کے موٴلف جناب نصیر نے قومی کونسل نئی دہلی وغیرہ سے دیگر لغات شائع کروا کر خاصی مقبولیت حاصل کی ہے، تاہم مضمون نگار نے اپنی اس اعلیٰ و ارفع عمیق و دقیق تحقیق سے مملو مقالے میں ’لغت‘، ’زمرہ‘ وغیرہ الفاظ کے صحیح تصرف کی بابت احسن رائے زنی کی ہے، جو کہ دیگر ناقدوں کے لیے لائق تقلید ہے۔ کلی طور پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ ایسے پُر مغز اور عرق ریزی سے مملو مضامین سے جریدہ کا معیار دن بہ دن خاصا ارفع اور بلند تر ہوتا چلا جا رہا ہے، اس میں دو آرا ممکن ہی نہیں ہیں۔ بقول علامہ اقبالؔ ’’موتی سمجھ کے شانِ کریمی نے چن لیے۔ قطرے جو تھے مرے عرقِ انفعال کے۔‘‘

کرشن بھاؤک، پٹیالہ (پنجاب) موبائل:9988455210

● ’ایوانِ اردو‘ ایک ایسا رسالہ ہے جس کا کبھی معیار نہیں بدلا۔ اس میں شامل مضامین برموقع بھی ہوتے ہیں۔ ستمبر ۲۰۱۸ء کا شمارہ ہی دیکھ لیجیے۔ اس مرتبہ اس میں مشتاق احمد یوسفی سے متعلق سات مضامین ’گوشۂ مشتاق احمد یوسفی‘ کے عنوان کے تحت شامل کیے گئے ہیں۔ ان میں رضا علی عابدی کا مضمون اس لیے اہم ہے کہ انھوں نے مشتاق احمد یوسفی کے ساتھ گزارے ہوئے وقت کو صفحۂ قرطاس پر لا کر قاری تک اس کی رسائی کرائی ہے اور کچھ ایسی باتیں بھی سامنے آئی ہیں جو کسی کتاب میں شامل نہیں ہیں۔ معصوم مرادآبادی کا مضمون ’’مشتاق احمد یوسفی کا فن‘‘ اس معنی میں منفرد ہے کہ انھوں نے ان کے کچھ جملے جو بہت مشہور ہیں اس مضمون میں شامل کیے ہیں۔ خاص طور پر مشتاق احمد یوسفی کا یہ جملہ ’’انسان واحد حیوان ہے جو اپنا زہر دل میں رکھتا ہے۔‘‘

سلیم شہزاد کا مضمون ’’اردو کی صوتی لغت: ایک جائزہ‘‘ اس اعتبار سے اہم ہے کہ اس میں لغت سے متعلق جانکاری دی گئی ہے، الفاظ کے تلفظ کا مسئلہ بھی انھوں نے اپنے اس مضمون میں پیش کیا ہے، اس اعتبار سے یہ زبان سے متعلق ایک معلوماتی مضمون ہے۔ جہاں تک کہانیوں کا معاملہ ہے تو اس میں محمد جمیل اختر کی کہانی ’ٹکٹ چیکر‘ نے بہت متاثر کیا۔ بظاہر یہ ایک ٹکٹ چیکر کی کہانی ہے، لیکن کہانی کار نے اصل میں ایک ایسے انسان کی زندگی کی تصویر کشی کی ہے جو اپنی ڈیوٹی کو دل سے نبھاتا ہے اور جب وہ ریٹائر ہوتا ہے تو اس کے بعد بھی اس پر ڈیوٹی کا نشہ رہتا ہے اور اسی وجہ سے وہ ایک دن سبکدوش ہونے کے باوجود بھی ایک ٹرین میں داخل ہو کر مسافروں سے ٹکٹ چیک کرانے کے لیے کہتا ہے، لیکن لوگ اسے پاگل کہہ کر ٹرین سے اُتار دیتے ہیں۔ ڈاکٹر غزالہ قمر اعجاز اور روبینہ ساگر روبی کی کہانیاں بھی پسند آئیں۔ غزلوں میں دیکھا جائے تو پروفیسر حنیف کیفی کی غزل خوب ہے۔ اس کا مقطع اندھی تقلید نہ کرنے پر ہونے والے نقصانات کی طرف اشارہ کر رہا ہے:

رات کو دن نہ کہہ سکا کیفی
جس پہ توڑے گئے ستم سارے

پروفیسر احسن رضوی کی غزل بھی خوب ہے۔ صہبا وحید، اکبر شاہی، ڈاکٹر مسعود جعفری، حافظ کرناٹکی کا کلام پسند آیا ہے۔ ڈاکٹر ظفر مرادآبادی کی غزل کا یہ شعر:

کڑی ہے دھوپ، سلگتی ہے ریت پیروں میں
لپ گئے ہیں، بزرگوں کے شامیانے سب

کے دوسرے مصرعے میں شاید کچھ ٹائپ ہونے سے رہ گیا ہے، لپ کی جگہ 'لپٹ' ہوگا۔

اداریہ کے متعلق پہلے ہی لکھنا چاہیے تھا، لیکن آخر میں لکھ رہا ہوں۔ اداریہ میں اردو زبان کی اہمیت، ہمہ گیریت اور اس کی پائیداری واستحکام کی طرف توجہ مبذول کرائی گئی ہے اور ساتھ ہی تخلیق کاروں کی سہل پسندی اور بے توجہی کی طرف بھی اشارہ ہے۔ اس کی طرف غور کرنے کی آج اشد ضرورت ہے۔

محمد یوسف رضا، جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی، موبائل:9990778665

● 'ایوانِ اردو' اگست ۲۰۱۸ء میں پروفیسر عبدالحق کا مضمون ''موثراتِ ولی'' بھوپال کے کوثر صدیقی کی کتاب کا مدلل جواب ہے جو مدھیہ پردیش کے بعض شعرا کو ولی پر فوقیت دینے کے لیے لکھی گئی ہے۔

نظام صدیقی کی تحریر بہتر عمدہ ہے مگر سمجھنے میں بڑی دشواری ہوتی ہے، لیکن اسے میں اپنی کم فہمی پر بھی دلالت نہیں کرسکتا۔

''انارکلی'' کی واپسی پر ڈاکٹر خالد علوی نے بھرپور تبصرہ کیا ہے۔ انھوں نے عجلت پسند ناول نگاروں پر چوٹ کرتے ہوئے جون ایلیا کا ایک شعر کوٹ کیا ہے:

حاصلِ کُن ہے یہ جہانِ خراب
یہی ممکن تھا اتنی عجلت میں!

میرے خیال میں یہ جرأتِ رندانہ ہے۔ میں نے اس موضوع پر سنبھل کر کہنے کی کوشش کی ہے:

میں زندگی سنوارتا رہتا ہوں رات دن
میری حیات کُن فیکوں تو نہیں کوئی

ولیم فنچ اور ایڈورڈ ٹیری کے بیانات کی تصدیق میں عرفی کے دو شعر پیش کیے گئے ہیں جن کی شرح ڈاکٹر خالد علوی نے بہت اچھے انداز میں کی ہے:

ہمیشہ تا آں نگر دد حلال بر فرزند
جمیلہ تا کہ شود با پدر بہ حجلہ مقیم
عروسِ دہر بقویٰ ذرہ تا خورشید
حلال اکبر شاہ باد و شاہ زادہ سلیم

ہارون رشید کا دل اپنے مرحوم باپ کی لونڈی پر آ گیا تھا۔ لونڈی سے فیضیاب ہونے سے پہلے وہ چاہتا تھا کہ اس کا فقہی جواز حاصل کرلے چنانچہ اپنے قاضی امام ابویوسفؒ کو اس نے بلا بھیجا۔ انھوں نے فتویٰ دے کر بادشاہ کو خوش کردیا تو بادشاہ نے اُن سے کہا کہ صبح دربار میں آیئے منہ مانگا انعام دیا جائے گا کیوں کہ اب خزانہ بند ہو چکا ہے تو امام ابویوسفؒ نے فرمایا کہ ہم نے تو آپ پر وہ خزانہ رات ہی کو کھول دیا جو آپ پر بند تھا آپ ہمیں صبح پر ٹال رہے ہیں! چنانچہ خزانچی کو بلایا گیا اور انعام سے فوری بہرہ ور کیا گیا۔ یہ روایت ''انارکلی'' کے وجود و عدم کی طرح تحقیق طلب ہے۔

رؤف خیر، گولکنڈہ، حیدرآباد، موبائل:9440945645

● 'ایوان اردو' اردو ادب کا پسندیدہ رسالہ ہے۔ اس کے تمام مشمولات قابلِ مطالعہ اور معیاری ہوتے ہیں۔ اگست کے شمارے میں شامل تمام مضامین بھی معیاری اور قابلِ ذکر ہیں۔ اداریہ نے ہمیشہ کی طرح متاثر کیا اور قاری کی توجہ حاصل کرنے میں کامیاب ہے۔ افسانوی حصّہ بھی اچھا ہے۔ علی الخصوص رابعہ الربا کا سویٹ ہارٹ اور ریحان کوثر کا سیلفی پسند آئے۔ غزلوں کے حصّے میں پروفیسر راشد طراز اور پروفیسر الطاف احمد اعظمی کی غزلیں بڑی پُر کیف ہیں اور کے اشعار دل کو چھو گئے۔

ہارون شامی، گومتی نگر، لکھنؤ (یوپی)، موبائل: 9415109335

● اگست کا شمارہ باصرہ نواز ہوا۔ سارے مضامین پڑھ ڈالے۔ افسانے بھی اور غزلیں بھی۔ پروفیسر اسلوب احمد انصاری اور ولی دکنی کے تعلق سے جو باتیں کہی گئی ہیں ان میں انفرادیت ہے۔ دونوں مضمون نگار پروفیسر عبدالحق اور پروفیسر عفت آرا قابل مبارکباد ہیں۔ پروین شاکر پر کسی نہ کسی رسالے میں کوئی نہ کوئی مضمون نظر سے گزرتا رہتا ہے۔ ان کا یہ شعر:

میں سچ کہوں گی مگر پھر بھی ہار جاؤں گی
وہ جھوٹ بولے گا اور لاجواب کردے گا

ان کو ہمیشہ زندہ رکھے گا۔ اپنی خوبصورتی کے لیے بھی اور بظاہر نقص کے لیے بھی مگر اور پھر بھی کا ایک ساتھ استعمال کس حد تک درست ہے؟ ڈاکٹر ہلال فریدی اور کرشن پرویز کی روایتی شاعری نے بے حد متاثر کیا۔ فی زمانہ ایسی ہی شاعری کی ضرورت محسوس کی جارہی ہے۔ بھائی منصور خوشتر کے شعر میں 'غالب ہونا' محاورہ درست نہیں لگتا غالب آنا شاعروں نے بکثرت استعمال کیا ہے۔ دوسرے شعر میں شاید کتابت کی غلطی سے طرف کی جگہ طرح شائع ہوگیا ہے۔ اہل خرد جمع ہے اس لیے اس مناسبت سے دکانیں بند ہیں مناسب تھا۔ اس عیب کو ہر سے دور کیا جاسکتا تھا اب ہٹا کر۔ یعنی ''ہر دکاں بازار میں اہل خرد کی بند ہے'' چھٹے شعر میں اہل باطل کے استعمال سے صاحب ایمان کی عزت بچ سکتی تھی۔

مصباح الہدیٰ، پرانا قلعہ، سیوان، موبائل: 9546575117

● ’’ایوانِ اردو‘‘ اگست ۲۰۱۸ء کا شمارہ نظر نواز ہوا۔ ۱۵/اگست کی مناسبت سے سرورق یومِ آزادی کی یاد تازہ کرتا ہے۔ بیک پیج پر عید ملن کی تقریب کی منہ بولتی تصویریں اردو اکادمی کی سرگرمیوں سے آگاہ کرتی ہیں۔ اس طرح کی تقریبات سے گنگا جمنی تہذیب اور کثیر جہتی ثقافت پروان چڑھتی ہے۔ یہ افسوس کی بات ہے کہ ہم جنگ آزادی میں اردو زبان و ادب اور صحافت کے رول اور مولانا حسرت موہانی، مولانا محمد علی جوہر، مولانا ابوالکلام آزاد، مولانا ظفر علی خان کی آزادی کے لیے دی گئی قربانیوں کو فراموش کرتے جارہے ہیں۔ اداریہ میں آپ نے انھیں یاد کرکے قابل ستائش کام کیا ہے۔ سارے مضامین اور مقالے اعلیٰ معیار کے ہیں، بڑی عرق ریزی سے لکھے گئے ہیں اور تحقیقی، معلوماتی اور دستاویزی ہیں۔ افسانوں میں ایک وفا ایسی بھی، کے ذریعہ ڈاکٹر نعیمہ جعفری پاشا نے اس حقیقت پر روشنی ڈالی ہے کہ انسان تنہا نہیں رہ سکتا۔ اسی لیے جنت میں جب تک حضرت آدم علیہ السلام تنہا تھے اُداس رہتے تھے۔ ریحان کوثر کی کہانی ’سیلفی‘ بھی پسند آئی۔ کبھی کبھی انسان ایسی خطا کر بیٹھتا ہے کہ زندگی بھر پچھتا تا ہے۔ غزلیں سبھی معیاری ہیں۔ دعا ہے یہ رسالہ یونہی ترقی کرتا رہے۔

عبدالحئ پیام انصاری، گورکھپور، موبائل:9453814135

● جولائی ۲۰۱۸ء کا ایوانِ اردو نظر نواز ہوا۔ رسالہ دیکھتے ہی طبیعت باغ باغ ہوگئی۔ اردو اکادمی، دہلی کی جانب سے منصۂ شہود پر آنے والا رسالہ ایوان اُردو بلاشبہ دنیائے ادب میں پُر وقار حیثیت کا حامل ہے۔ کہنہ مشق اور نئے لکھنے والے شعرا و ادبا کی نگارشات واقعی متاثر کرتی ہیں۔ اپنی بات میں آپ کے یہ جملے دل کو چھو لیتے ہیں کہ ’’اردو جو ہماری جمہوری، تہذیبی، لسانی اور ثقافتی زبان ہے اس کے مزاج و کردار میں نعرۂ حق کا غلغلہ پوشیدہ ہے۔ جب یہ نمائندہ زبان خاکِ وطن کے ہر ذرّے کو دیوانہ بنا لینے کی آرزو دلوں میں پیدا کرتی ہے تو جوش و جذبہ سے سرشار جنوں خیزوں کا قافلہ جوق در جوق اس کے جلو میں بڑھتا جاتا ہے۔ تحریکِ آزادی کے مختلف مرحلوں کی جھلکیوں سے اردو ادب کی تاریخ بھری پڑی ہے۔‘‘ اگر اِن مذکورہ باتوں کی تشریح کی جائے تو سیکڑوں صفحات سیاہ ہو جائیں گے۔ نثری حصّہ میں پروفیسر عبدالحق، نظام صدیقی، ڈاکٹر خالد علوی، عفت آرا، ڈاکٹر مہتاب جہاں، ڈاکٹر بلال احمد میر اور محمد کیف فرشوری بدایونی کے مضامین پڑھ کر فکری بصیرت میں اضافہ ہوتا ہے۔ فرشوری بدایونی نے عظیم نغمہ نگار اور ممتاز کلاسیکی شاعر شکیل بدایونی سے متعلق درست فرمایا ہے کہ اُن سے جلن رکھنے والے حضرات کی اُس دور میں بھی کمی نہیں تھی جب اُن کی اَدَبی شہرت کا ڈنکا پورے برصغیر میں بجتا تھا اور آج بھی کچھ لوگ ایسے ہیں جو ان کے فن سے جلن اور حسد رکھتے ہیں۔ شکیل بدایونی بلاشبہ نغموں کے شہنشاہ اور کلاسیکی غزل کے ممتاز شاعر تھے۔ ان کی غزلوں میں جہاں غمِ جاناں کا تصور ملتا ہے وہیں غم دوراں کا عکس بھی آب و تاب کے ساتھ موجود ہے۔ بقول شکیل بدایونی:

ہم شاعر شباب رہیں گے سدا شکیلؔ
ڈھلنے لگی ہے عمر تو ڈھلنے بھی دیجئے

وہی کارواں، وہی راستے، وہی زندگی، وہی مرحلے
مگر اپنے اپنے مقام پر کبھی تم نہیں کبھی ہم نہیں

ڈاکٹر نعیمہ جعفری پاشا، رابعہ الربا، ریحان کوثر اور عظیم اقبال کے افسانے خوب اور فکر انگیز ہیں۔ غزلوں اور نظموں میں پروفیسر الطاف احمد اعظمی، ڈاکٹر ہلال فرید، اختر شاہجہاں پوری، مصداق اعظمی، ڈاکٹر عادل حیات، کرشن پرویز، ڈاکٹر تبسّم فرحانہ، عفت زرّیں، سنجر ہلال بھارتی اور عبید حارث کی نگارشات نہ صرف خوبصورت ہیں بلکہ موضوع اور زبان و بیان کی دلکشی کے لحاظ سے ہمیں اپنی جانب متوجہ کرتی ہیں۔ مونگیر (بہار) کے معتبر شاعر پروفیسر راشد طراز کی غزل فکر اور تازہ کاری کے اعتبار سے مزین ہے۔ ان کی تعریف نہ کرنا حق تلفی ہوگی۔ تازہ شمارہ میں شامل بقیہ نگارشات بھی لائقِ ستائش ہیں۔

مشتاق جاوید، مٹیا برج، کلکتہ، موبائل:9674170148

● ’’ایوانِ اردو‘‘ جون کا شمارہ مقامی کتب فروش سے خریدنا پڑا۔ زیرِ نظر شمارے کے اداریے ’’اپنی بات‘‘ میں آپ نے ہر عہد کے تغیرات کی بابت روشنی ڈالتے ہوئے اپنی بات کی شروعات کی ہے جو برحق ہے اور بلاشبہ ہر عہد کا ادب اپنے ساتھ گونا گوں تغیرات اور جدید رجحانات لے کر نمایاں ہوتا ہے۔ بقول آپ کے یہ بھی سچ ہے کہ بعض فن کاروں نے جس ادب کو جبراً و کرہاً اپنا مشغلہ بنا لیا ہے اور اساتذہ سے کسبِ فیض حاصل کرنے کے باوجود بھی انھیں اپنی تخلیقات اور نگارشات میں نظر انداز کرتے ہیں یہ تلمذی بد دیانتی نہیں تو اور کیا ہے۔

اردو اکادمی، دہلی کے زیر اہتمام ایک بڑے ادبی اجتماع کے تحت ’’نئے پرانے چراغ‘‘ پانچ روز تک چلائے رکھنے کا جو تقریبی سلسلہ جاری رکھا گیا وہ ایک مستحسن قدم ہے اور اس سے بڑھ کر قابلِ تحسین بات یہ ہے کہ دو سو سے زائد شعرا نے ’’نئے پرانے چراغ‘‘ میں شرکت کر کے اپنی سخن سنجی کی ضو باریاں کیں اور اردو اکادمی، دہلی کی جانب سے طلبا کی تخلیقات اور اردو امتحانات میں امتیازی درجے پر کامیاب ہونے والے طلبا کی حوصلہ افزائی کے لیے انعامات تقسیم کیے گئے تا کہ وہ اپنے اپنے میدان میں آگے بڑھ سکیں۔ چراغ سے چراغ اسی طرح جلتے ہیں۔

اردو اکادمی، دہلی بے شک آئے دن ایسی تقریبات اور پروجیکٹ کے ذریعے اردو کے فروغ میں اپنا تاریخ ساز رول ادا کر رہی ہے جو ملکی سطح پر ہی نہیں بلکہ عالمی سطح پر بھی لائق اعتبار ہے۔

علیم صبا نویدی، چنئی، موبائل:9840361399